مولوی احتشام الحق صاحب تھانوی

کا

فہم قرآن

حصّہ اوّل

شیخ عبد الحق مناظر اسلام

www.aaiil.org

مولوی احتشام الحق صاحب

اور

مسئلہ شفاعت

مولوی احتشام الحق صاحب کا درس قرآن ہر جمعہ اخبار روزنامہ "جنگ" کراچی میں شائع ہوتا ہے جناب مولوی صاحب نے اپنے درس قرآن مندرجہ اخبار جنگ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۸ء میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت کی بناء پر جو قرآن کریم کے صریحاً خلاف ہونے کے باعث رد کرنے کے قابل ہے تحریر فرمایا ہے کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مقدسہ اللہ تعالیٰ اور نیز رسالت مآب کے نزدیک دعا ئے مغفرت کی مستحق نہیں تھیں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ جناب مولوی صاحب اللہ تعالیٰ کے پیش کردہ قانون جزاء و سزا سے جس کی تشریح و توضیح متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ بہت حد تک ناواقف محض نظر آتے ہیں۔ ورنہ وہ اس قدر خطرناک اور سنگین غلطی کے مرتکب نہ ہوتے اور بغیر کسی جھجک یہ ارشاد نہ فرماتے کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ مقدسہ مطہرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور علیہ السلام

کی دُعا کی مستحق نہ تھیں۔ حالانکہ ادنیٰ تدبر سے یہ امر قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی انسان کو عذاب نہیں دیتا۔ جب تک وہ اپنے رسول کو بھیجکر انسانوں کے درمیان نیکی و بدی کا احساس نہیں پیدا کر دیتا۔ اور پھر یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ایسے قانون کے ماتحت سزا دے جس کا انہیں علم ہی نہیں دیا گیا۔ یہ امر تو سراسر اس کی رحمتِ بے پایاں کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک بچّہ جس میں ابھی نیکی و بدی کا احساس پیدا نہیں ہوا یا وہ لوگ جن کو انبیاء کی تعلیم نہیں پہنچی کسی مواخذہ کے نیچے نہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بچّہ ہو یا بے خبر انسان، آگ میں ہاتھ ڈالے گا۔ تو اس کا ہاتھ جل جائے گا۔ کسی کے بچّہ ہونے یا بے خبر ہونے کی وجہ سے وہ جلنے سے بچ نہیں سکے گا۔ ایسے معترض کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ظاہری قوانین سے اخلاقی قوانین پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ احساس کا تعلق اخلاق سے ہے جو ایک باطنی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوانین اخلاق کی بنیاد احساس پر رکھی ہے۔ جو ایک غیر مرئی حالت ہے۔ اور اسی احساس کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ اسی لئے بچّہ خواہ مسلمان کا ہو یا کافر کا۔ وہ مواخذہ کے نیچے نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا۔ ما من مولود الّا یُولَدُ علی الفطرۃ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن چار قسم کے لوگ عذر پیش کریں گے (۱) بہرہ (۲) فاترالعقل (۳) بہت بوڑھا۔

(۴) اور جو شخص زمانہ فترت میں مر گیا۔ اگر کوئی قوم ابھی وحشت کی حالت سے باہر نہیں نکلی تو اس کی حالت ایک بچے سے مشابہت رکھے گی۔ جس میں ابھی احساس اخلاق پیدا نہیں ہوا۔ ان باتوں کو جناب مولوی صاحب پر واضح کرنے کے لئے میں نے جناب مولوی صاحب کو ایک خط لکھا، اور ایڈیٹر روزنامہ جنگ کو بھی اس کی ایک کاپی بھیجدی تھی۔ اس درخواست کے ساتھ کہ مولوی صاحب سے میرے خط کا جواب حاصل کر کے اپنے اخبار میں شائع فرمائیں۔ میری اس درخواست کو نہ تو اب مولوی احتشام الحق صاحب قبول فرما رہے ہیں اور نہ ہی ایڈیٹر روزنامہ جنگ اور نہ ہی ان دونوں نے میرے خط کے جواب دینے کی زحمت فرمائی ہے۔ اسی لئے بامر مجبوری میں وہ کھلا خط اس تمہیدی نوٹ کے ساتھ اخبار "پیغام صلح" میں شائع کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں تاکہ مولوی صاحب اپنے موقف کا ثبوت دیں۔

کھلا خط

مکرم و معظم جناب مولوی احتشام الحق صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ نے درس قرآن مندرجہ روزنامہ جنگ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۸ء میں حضرت ابوہریرہؓ کی ضعیف روایت کی بناء پر جو قرآن کریم کے بھی صریحاً خلاف ہے اپنے مضمون "شفاعت" میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ مقدسہ مطہرہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت کی مستحق نہیں تھیں وغیرہ وغیرہ۔

کیا جناب کا یہ مذہب ہے کہ بعثت نبی صلعم سے پیشتر جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت یا شریعت نازل نہیں ہوئی۔ اور جن کا مواخذہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی بناء پر عقل و فطرت کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ اُن پر بھی بقول آپ کے مطابق پیش کردہ روایت حضرت ابوہریرہؓ کسی مزعومہ نبی جس کا نام آپ کبھی نہیں بتلا سکتے کے انکار کا لفظ عائد فرما سکتے ہیں؟ اور یہ امر تو مسلمات میں سے ہے کہ حضور علیہ السلام کی والدہ مقدسہ مطہرہ کا انتقال تو آپ کی بعثت سے چونتیس سال قبل ہو چکا تھا۔

اسی امر پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے میں آپ کو اس گفتگو سے بھی روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ جو حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان ہوئی جس کا تذکرہ سورہ طٰہٰ میں موجود ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کیا تھا۔ کہ تمہارے مبعوث ہونے سے پیشتر جن قوموں کو ہدایت یا شریعت نہیں ملی تھی ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ جس کا جواب حضرت موسیٰؑ نے یوں دیا تھا "علمها عند ربی فی کتاب" یعنی ایسے لوگوں کے متعلق تو صحیح علم میرے اللہ ہی کو معلوم ہے تاہم اس جواب کو مزید مؤکد کیا۔ "لا یضل ربی ولا ینسیٰ" یعنی میرا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھولا نہیں، اس نے ان کیلئے جو مناسب حال سامان چاہا کر دیا۔

اس ضمن میں حضرت ابن عباسؓ کا قول فیصلہ کُن ہے۔ لتنقل فی اصلا بھم حتّٰی ولدتہ امہ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد کو بھی انہوں نے نیک اور فرمانبردار لوگوں میں شامل فرما دیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیت مقدسہ "وتقلبك فی السٰجدین" کے ماتحت حضورؐ کا نیک لوگوں کی پیٹھوں میں منتقل ہوتے رہنا تسلیم فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ مقدسہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جنا۔

کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ مندرجہ بالا واقعات کی بنا پر اپنے موجودہ عقیدہ کو جو آپ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ مقدسہ کے متعلق ہے تبدیل فرما کر اپنے آپ کو عند اللہ و عند الرّسول مستحق ثواب ٹھہرائیں گے ــــ؟

مولوی احتشام الحق صاحب

اور

اُن کا معیارِ نجات

جناب مولوی احتشام الحق صاحب کا درس قرآن ہر جمعہ کراچی میں اخبار روزنامہ جنگ میں شائع ہوتا ہے۔ اس درس میں مولوی صاحب بسا اوقات ایسی باتیں بیان فرمانے کے عادی ہیں جو اسلامی نقطہ نگاہ سے قابلِ اعتراض ہوتی ہیں۔ اسی قسم کا غلط دعویٰ انہوں نے اپنے شائع شدہ درسِ قرآن مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء میں اس طرح پیش فرمایا ہے کہ "آخرت کی نجات کا دار و مدار بالاتفاق صرف عقیدہ اور ایمان پر ہے"۔

جناب مولوی صاحب موصوف کا یہ دعویٰ اسی قدر سنگین اور خلافِ اسلام ہے جیسا جناب نے ایک ساقط الاعتبار روایت کی بناء پر یہاں تک تحریر فرما دیا تھا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مقدسہ مطہرہ اللہ تعالیٰ اور نیز

رسول اللہ کے نزدیک دعائے مغفرت کی مستحق نہ تھیں العیاذ باللہ من ہٰذہٖ الخرافات جب آپ کی اس خطرناک غلطی کی تردید قرآنِ کریم اور روایات صحیحہ سے کی گئی تو جناب مولوی صاحب نے باوجود یاد دہانی خاموشی اختیار فرمائی۔ چنانچہ اس واقعہ کو اخبار پیغامِ صلح مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

ٹھیک اسی طریقہ پر جب جناب مولوی احتشام الحق صاحب پر بذریعہ خط ان کے عقیدہ شفاعت کی تشریح کی اور واضح غلطی قرآنِ کریم اور نیز روایات صحیحہ کی روشنی میں ظاہر کی گئی تو جناب مولوی صاحب نے جواب دینے کی بجائے حسبِ معمول خاموشی سادھ لی۔ ایسے حالات میں اب میرے لئے صرف یہی ذریعہ ہے کہ اس خط کو بھی اخبار پیغامِ صلح میں شائع کر دوں۔ تاکہ مولوی صاحب اپنے اس غلط دعوے کی صفائی میں کچھ فرما سکیں۔ والّا ان کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہوگی کہ جن مولوی صاحبان نے خدا اور اس کے رسولؐ کا خوف نہ رکھتے ہوئے حضرت مجدد الوقت علیہ الرحمتہ اور ان کی جماعت کے خلاف جھوٹے طریق پر نفرت کے خیالات پھیلانا ہی خدمتِ اسلام سمجھ رکھا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ایسے علماء کے فہم قرآن کی قابلیت کو ہی سلب کر دیا ہے۔ وہ خط حسب ذیل ہے:۔

آپ نے اخبار جنگ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء میں بہ سلسلہ درسِ قرآن اس آیتِ مقدسہ:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی

والصّابئین . . . . . . لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

کی یوں تشریح فرمائی ہے :۔

"مذکورہ بالا آیت میں نجات آخرت کے دو اجزاء بیان کئے گئے ہیں - ایک ایمان دوسرا عملِ صالح۔ بظاہر اس کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدارِ نجات صرف ایمان پر نہیں بلکہ عمل پر بھی ہے" یہاں تک میں اس تشریح میں آپ کے ساتھ متفق ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی بغیر کسی نص صریح جناب نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ "آخرت کی نجات کا دارومدار باالاتفاق صرف عقیدہ اور ایمان پر ہے" جو حدیث جبرئیل آپ نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے پیش فرمائی ہے اس کے اجزاء میں صاف طور پر کلمہ شہادت (۲) اقامت الصلوٰۃ (۳) ادائے زکوٰۃ (۴) صوم رمضان اور (۵) حج شامل ہیں اور ان اجزاء کا تعلق انسانی اعمال کے ساتھ ہے۔ نیز اس حدیث مقدسہ میں اشارہ تک بھی موجود نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے۔ کہ آخرت کی نجات کا دارومدار صرف عقیدہ اور ایمان پر ہے - اس لئے باادب ملتجی ہوں کہ آپ اپنے "متفقہ عقیدہ نجات" پر نص تصریح پیش فرمائیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے مرجیہ کے اس عقیدے کو کبھی صحیح تسلیم نہیں فرمایا۔ اور حضرت امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہ مسلک نہ تھا۔ جناب نے اسلام اور ایمان پر جو موشگافیاں

کی ہیں۔ اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ نجات کا انحصار محض عقیدہ یا ایمان پر ہے۔ قرآن کریم سے بکثرت آیاتِ مقدسہ اس نظریہ کے خلاف پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر میں بات کو مختصر کرنے کی خاطر سورۃ الطور کی ان آیات کو پیش کرتا ہوں۔ جن میں اللہ تعالے نے ایمان والوں کی اولاد کو ان مومن آباؤ اجداد سے ملانے کے لئے شرط پیش کی ہے۔ "اتبعتھم بایمان" اور اس شرط کو یوں مشروط فرمایا ہے۔

"کل امرء بما کسب رھین" یعنی ہر ایک نفس اپنے عمل کی جزا میں اپنے مقام پر روکا ہُوا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ ایسا نہ ہوگا کہ اعمالِ بد رکھنے والا نیک اعمال کرنے والوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔

دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے۔ "فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ"۔ المومنون

یہ بھی ممکن نہیں کہ حسب نسب کے ذریعہ سے نجات مل جائے گی اگر حضرت رسول مقبول صلعم اپنی بیٹی کو یوں مخاطب فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز میرا باپ ہونا تیرے کام نہ آئے گا۔ بلکہ تیرے اعمال ہی تیرے کام آئیں گے۔ تو کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ نجات کے لئے عقیدہ ایمان یا حسب نسب کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔

سورہ المدثر میں اللہ تعالے نے کیا خوب وضاحت فرمائی ہے۔ "کل نفسٍ بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین" کہ صرف اعمال بد ہی انسان کو مزید ترقی یا انعامات الٰہیہ کے حاصل کرنے میں روک ہوں

گے لیکن نیک یا ایماندار (اصحاب الیمین) اس روک سے مستثنےٰ ہوں گے ایسا ناممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اس نص صریح کے ہوتے ہوئے بداعمال کو نیک اعمال رکھنے والوں عزیز و اقربا یا دوسرے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ملا دے خواہ ایسے بداعمال کلمہ طیبہ کے ہی قائل کیوں نہ ہوں ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم حکم دیتا ہے:-

(ج) ومن یعص اللہ ورسولہ و یتعدّ حدودہٗ یدخلہ نارًا (النساء)

(ب) ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنّم خالدین فیھا ابدا۔ (الجنّ)

بناء علیہ جب تک نص صریح قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ بغیر عمل صرف عقیدہ اور ایمان سے نجات ہو جائے گی۔ تب تک اس عقیدہ کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایسے عقیدہ کے شائع کرنے سے مسلمانوں کو مزید بدعملی کی کھلی چھٹی مل جائے گی۔

کیا مردے دوبارہ دُنیا میں واپس آ سکتے ہیں؟

مولوی احتشام الحق صاحب کیلئے مقامِ غور

مکرم و معظم جناب مولوی احتشام الحق صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جناب نے اپنے درس قرآن میں جو اخبار جنگ مورخہ ۶ جون ۱۹۶۹ء میں شائع ہُوا ہے۔ آیاتِ مقدسہ
" واذ قتلتم نفساً فادرءتم فیھا ..... لعلکم تعقلون"
کی یوں تشریح فرمائی ہے:۔

" ان آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کے اس واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے جو انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو قتل کرکے دوسروں پر الزام لگایا۔

بہرحال بنی اسرائیل کے ان دو قاتلوں نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کرکے دوسرے محلّہ والوں پر اسی قتل کا الزام لگایا۔ انہوں نے اس سے برائت کی۔ کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے۔ جب

الزام قتل اور اس کی برأت کے بارے میں یہ صورت پیش آئی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے واقعہ پیش کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی۔ تو حق تعالیٰ کی طرف سے اصل واقعہ کے انکشاف کے لئے وحی کے ذریعہ وہ حکم آیا۔ جس میں بنی اسرائیل کو تکذیب و انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ بنی اسرائیل نے مجبور ہو کر بیل ذبح کیا اور اس کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا۔ اس کے لگتے ہی مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے بیان کر دیا کہ مجھ کو فلاں فلاں شخص نے قتل کیا ہے" وغیرہ وغیرہ

۱- آپ کے اس بیان سے واضح ہے کہ (۱) آپ مردوں کے دوبارہ دنیا میں آنے کے قائل ہیں (۲) یہودیوں کی اس گائے یا بقول آپ کے بیل میں یہ معجزہ اور کرامات پوشیدہ تھیں۔ کہ مرنے کے بعد بھی اس کے گوشت کے ٹکڑے کے چھو جانے سے مقتول بوڑھا یہودی نہ صرف زندہ ہو گیا بلکہ اُس نے قاتلین کی نشاندہی بھی کر دی۔ اور یہ شرف حضرت موسیٰؑ کی وحی کو بھی حاصل نہ ہوا۔ کیا یہ تشریح صریحاً قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف نہیں؟

۲- ممکن ہے کہ آپ کا یہ خیال ہو کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ میں قدرتِ خداوندی کا انکار کر رہا ہوں۔ سو عرض ہے۔ کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہاں تک قائل اور معترف ہوں کہ اگر وہ عظیم قادرِ مطلق ہستی چاہے تو پتھروں میں سے بھی آدمی پیدا کر دے۔ مگر مجھے حیرت اور تعجب اس امر کا ہے۔ کہ پاکستان

کے ایک بہت بڑے عالمِ دین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
سب چیزوں پر قادر ہونے کے باوجود ایسے قانون بنا دیئے ہیں۔
جن کی قطعاً کوئی خلاف ورزی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا آپ کو
اس کا علم نہیں۔ کہ قرآنِ کریم نے بار بار ارشاد فرمایا۔
"ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مردوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنا یہ
قانون بیان فرمایا ہے۔

ا۔ وحرام علیٰ قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون۔
الانبیاء۔ یعنی جو ایک دفعہ مرجاتا ہے وہ دُنیا میں واپس لوٹ
کر نہیں آتا۔

ب۔ حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون
لعلی اعمل صالحاً۔ کلا انھا کلمۃٌ ھو قائلھا و
من ورائھم برزخٌ الیٰ یوم یبعثون (المؤمنون)۔
اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کی خواہش پر کہ مجھے (دوبارہ) لوٹاؤ
تاکہ میں نیک عمل کروں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔
اور قیامت کے دن تک ایسا شخص برزخ میں رہے گا۔

ج۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت
فی منامھا۔ ۔ ۔ ۔ الیٰ اجل مسمّی۔ ۔ ۔ ۔ (الزمر)
اس آیتِ مقدسہ میں قبضِ روح کے دو طریقے بیان فرماتے ہیں۔
پہلا طریقہ موت کی حالت، دوسرا طریقہ نیند کی صورت اور پھر ان دونوں
طریقوں میں سے ایک کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا کہ جس پر موت وارد ہوتی ہے

اس کو دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جاتا۔

احادیث صحیحہ سے ثبوت

حضرت جابر بن عبداللہ کے والد محترم (رحمتہ اللہ علیہ) جو ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت اور پیار سے ارشاد فرمایا۔ جو کچھ مانگتے ہو مانگو۔ تمہیں دیا جائے گا۔ تو اس فنا فی اللہ بزرگ نے عرض کی مجھے پھر دنیا میں لوٹایا جائے تاکہ میں آپ کی راہ میں جنگ کروں تو رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

" قد سبقت منی انھم لا یرجعون " جس کا مطلب یہ ہے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مُردے دوبارہ لوٹ کر دنیا میں نہیں جا سکتے۔

اب آپ غور فرمائیں (۱) ایک طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ جو مانگو گے دیا جائیگا۔ (۲) پھر مسلمانوں میں ایسے جانباز مجاہدوں کی ضرورت جو کفار کا مقابلہ کر کے اسلام کی مدافعت کریں ان کو تو " انھم لا یرجعون " کا قانون سنایا جاتا ہے اور بقول آپ کے یہودیوں کی گائے یا بیل کی عظمت یوں قائم کی جا رہی ہے کہ اس کے گوشت کے ٹکڑے کے صرف چھو جانے سے پرانا مرا ہوا بوڑھا یہودی آن و احد کے اندر زندہ ہو جاتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۳۔ اب رہا یہ امر کہ پھر ان آیات مقدسہ کی صحیح صحیح تشریح کیا ہے اس کو میں دوسری فرصت تک ملتوی کرتا ہوں۔ سر دست اس سلسلہ میں یہ کافی ہے کہ مصر میں چار سو سال کی غلامی کے باعث یہودیوں نے مصریوں سے گائے کی پرستش کا اثر قبول کیا۔

جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں کی بہت سی رسم و رواج کا اثر مسلمانوں پر ہوا ہے۔ مثلاً تعزیہ پرستی۔ پیر پرستی وغیرہ وغیرہ۔ بنی اسرائیل میں گائے کے شرک کا اثر اس حد تک سرایت کر گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف چالیس روز کے لئے پہاڑ پر جاتے ہیں تو انہوں نے اس تھوڑے سے وقفے میں بچھڑے کا بُت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی جس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ میں موجود ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے گائے کو یا بیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور یہ حقیقت ہے کہ توحید اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک مشرکانہ رسوم کی بیخ کنی نہ ہو۔ بیل کو اس لئے ذبح نہیں کرایا کہ بقول آپ کے مرے ہوئے بوڑھے یہودی کو اس معجزہ نما بیل کے گوشت سے زندہ کیا جائے۔ جیسا آپ نے لکھا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ اپنی غلطی کی اصلاح فرما کر عنداللہ اور عندالرسول مستحق ثواب ٹھہریں گے۔

منتظر جواب

ہاروت و ماروت کی دلچسپ کہانی

مولوی احتشام الحق صاحب کی زبانی

مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا درس روزنامہ جنگ میں
ہر جمعہ کی اشاعت میں طبع ہوتا ہے۔ جناب مولوی صاحب پاکستان
میں ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے معروف ہیں ان کی اس شہرت
کے پیش نظر یہ توقع تھی کہ مولوی صاحب ممدوح قرآن پاک کے
معارف اور حقائق ایسے احسن طریق سے بیان فرمایا کریں گے جو مسلمانوں
کے لئے ازدیاد ایمان کے اور غیر مسلم اصحاب کے لئے بھی کشش کا موجب
بنیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ توقع جناب مولوی صاحب کے
درس قرآن سے پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جناب
مولوی صاحب بھی قصہ گو مفسروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور
بہت سی باتیں خلاف واقع بیان کرنے کے عادی ہو گئے ہیں جن کو مخالفین
صداقت اسلام کو مشتبہ کرنے کے لئے پیش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جناب
کے بعض پیش کردہ غلط واقعات کا نمونہ بطور مشتے از خروارے پیش

کیا جاتا ہے۔ تا احباب ان کے عجیب درعجیب افسانوں کے متعلق صحیح حالات کا اندازہ لگا سکیں۔ جن کا تذکرہ انہوں نے ہاروت و ماروت کے متعلق اپنے درس میں کیا ہے۔

جناب مولوی صاحب نے مسئلہ شفاعت کی حقیقت کو اخبار جنگ بتاریخ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۸ء میں بیان فرماتے وقت سنگین غلط بیانی ان الفاظ میں کی ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مقدسہ مطہرہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک دعائے مغفرت کی مستحق نہ تھیں۔

استغفراللہ من ھذہ الخرافات۔ حالانکہ ادنیٰ تدبر سے قرآن کریم اور احادیث سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی انسان کو عذاب نہیں دیتا جب تک وہ اپنے کسی رسول کے ذریعہ انسانوں کے درمیان نیکی اور بدی کا احساس پیدا نہیں کر دیتا۔

عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ یہ تو ظلم عظیم ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ایسے قانون کے ماتحت سزا دے جس کا علم بندوں کو نہیں دیا گیا اور یہ امر مسلم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ مقدسہ کا انتقال تو آپؐ کی بعثت سے چونتیس ۳۴ سال قبل ہو چکا تھا۔ جناب مولوی صاحب پر قرآن و حدیث کی بناء پر جب یہ غلطی واضح کر دی گئی اور انہوں نے خطوط کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو پھر اس غلط واقع کو اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں شائع کر دیا گیا تا مولوی صاحب اپنے موقف کو ثابت کر سکیں۔

اسی طریق پر دوسری سنگین غلطی کا یہ ارتکاب انہوں نے اپنے درس قرآن مندرجہ اخبار جنگ مورخہ ۵ ارمارچ ۱۹۶۹ء میں یوں کیا ہے —— فرماتے ہیں :-

"ان الذین امنوا والذین ھادو والنصاریٰ والصائبین ۔۔۔۔ فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ مذکورہ بالا آیت میں نجات آخرت کے دو اجزاء بیان کئے گئے ہیں۔ ایک ایمان دوسرا عمل صالحہ بظاہر اس کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مدار نجات صرف ایمان سے نہیں بلکہ عمل پر بھی ہے۔ مگر آخرت کی نجات کا دارو مدار بالاتفاق صرف عقیدہ اور ایمان پر ہے۔"

سوال یہ ہے۔ کہ کیا کوئی مسلمان قرآن کریم کی آیت مقدّسہ کے خلاف یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے۔ کہ نجات کے لئے اعمال کی ضرورت نہیں۔ اور پھر یہ دعونے اور جسارت کہ نجات کا دارومدار سب مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق صرف عقیدہ اور ایمان پر ہے۔ کس قدر دروغ بے فروغ ہے۔

مولوی صاحب پر جب یہ غلطی واضح کی گئی تو انہوں نے حسب معمول خط کا جواب نہ دیا۔ اس لئے اس مسئلہ کو بھی اخبار پیغام صلح مورخہ ۴ جون ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا گیا۔ مگر مولوی صاحب اسکو بھی پی گئے۔

اسی نوعیت کی ایک تیسری غلطی کا اظہار آپ نے ایک آیت مقدّسہ واذ قتلتم نفساً فادّٰرءتم فیھا کی تشریح کرتے وقت کیا۔ ملاحظہ ہو اخبار جنگ مورخہ ۶ جون ۱۹۶۹ء۔ جناب کا ارشاد ہے کہ اس آیت مقدّسہ کا شان نزول بنی اسرائیل کے انکار و تکذیب کے ساتھ ہے۔ جو اُن سے بار بار گائے یا بیل کے ذبح کرنے کے متعلق سرزد ہوا۔ نیز مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہودیوں نے ایک بوڑھے یہودی کو قتل کر کے الزام دوسروں پر لگایا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اصل واقعہ کے انکشاف کے لئے اس گائے یا بیل کو مجبوراً ذبح کرایا۔ اور بقول مولوی صاحب اس ذبح شدہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم سے لگایا تو مدتوں سے سڑی ہوئی بوڑھے

یہودی کی لاش فی الفور زندہ ہوگئی۔ ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ ہمارے ممتاز عالم دین نے یہ کس طرح گوارہ کر لیا۔ کہ شرک کی پوٹلی گائے کے گوشت میں تو اعجاز ہو۔ کہ اس کے چھو جانے سے سڑا ہوا مردہ زندہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے یہ اعجاز بااشرف حضرت موسیٰؑ کی وحی نبوت میں نہیں رکھا کہ وہ قاتل کی نشاندہی کر سکے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون

جب مولوی صاحب نے ہمارے دلائل کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو اس بحث کو بھی اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۔ جولائی ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا گیا۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر خالی از لطف نہ ہوگا۔ کہ جماعتِ اسلامی کے ایک کارکن نے بھی ایک پرچہ پیغام صلح کا مولوی صاحب کو دیا۔ مولوی صاحب نے ان کے ساتھ اس کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر آج تک اس وعدہ کا ایفا نہیں ہوا۔

مذکورہ واقعات سے یہ امر عیاں ہے کہ جناب مولوی صاحب اپنے درس قرآن کو دلچسپ بنانے کے لئے قصہ جات کو اچھے الفاظ میں بیان کرنے کے عادی ہیں۔ چنانچہ اسی عادت کے مطابق آپ نے ہاروت و ماروت کے متعلق عجیب باتیں بیان کی ہیں۔:

اس کہانی کی تمہید یوں باندھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں نمرود کا پایۂ تخت بابل تھا۔ کلدانیوں کی بالخصوص نمرود کے دورانِ حکومت دنیوی علوم۔ سحر و جادو۔ علمِ نجوم سائنسی علوم اور صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے غور و فکر کر کے اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے لئے ارواح و نفوس کی دریافت کی۔ صرف تسخیر اجسام نہیں بلکہ ان کی روحوں اور نفسوں کی تسخیر کے تجربات کرتے کرتے بالآخر اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور بقول مولوی صاحب اس قسم کے اونچے سحر کی اصل دو فرشتوں یعنے ہاروت و ماروت کے علم سے ماخوذ ہے وغیرہ وغیرہ اور بابل کے سائنسدانوں نے نمرود کے پایۂ تخت بابل میں کچھ چیزیں ایسی بنائی تھیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جائے۔

اور بقول مولوی صاحب وہ چھ عجوبے حسب ذیل ہیں۔

(۱) تانبہ کی بطخ :۔ جب کوئی جاسوس یا کوئی چور شہر میں داخل ہوتا تو اس بطخ سے اس زور سے آواز نکلتی کہ جاسوس یا چور جو بھی ہوتا۔ اس کو گرفتار کر لیا جاتا۔

(۲) طبل یا نقارہ :۔ اس میں یہ خوبی تھی۔ کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی۔ تو وہ شخص اس نقارہ کو بجاتا۔ تو نقارہ بتلا دیتا کہ تیری چیز فلاں جگہ ہے۔

(۳) آئینہ :۔ جب کسی غائب شخص کا حال معلوم کرنا ہوتا تو وہ آئینہ کے پاس جا کر آئینہ دیکھتا تو غائب شخص کا حال ظاہر ہو جاتا۔ خواہ وہ شخص کسی حالت میں ہوتا جنگل میں دریا میں۔ یہاں تک کہ تندرستی۔ بیماری۔ ناداری۔ مالداری۔ زندگی یا موت جو بھی حالت ہوتی۔ وہ معلوم ہو جاتی

(۴) حوض :۔ بڑے بڑے لوگ ہر سال ایک روز تفریح کے لئے جمع ہوتے ہر شخص اپنے حسب پسند جو شربت وغیرہ لاتا اس حوض میں ڈالدیتا۔ خدام و ملازمین جب شربت پلانے کے لئے اس حوض پر جاتے تو ہر شخص کے جام یا گلاس میں وہی شربت آتا جو اس کا آقا لایا تھا۔

(۵) تالاب :۔ باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے بنایا تھا۔ جب دو شخصوں یا گروہوں میں کسی بارے میں جھگڑا ہو جاتا تو دونوں فریق اس تالاب پر جاتے۔ حقدار یا مستحق نہ ڈوبتا اور جو غاصب ہوتا پانی اس کے سر سے اونچا ہو جاتا۔ اگر وہ فوراً صاحب حق کا حق تسلیم کر لیتا تو پانی نیچے اتر آتا۔ اور وہ بھی بچ جاتا۔

(۶) درخت :۔ نمرود جب دربار منعقد کرتا تو اہل دربار اور معززین شہر اس کے گرد بیٹھ جاتے۔ اور جتنے آدمی زیادہ ہوتے جاتے اتنا ہی درخت پھیل جاتا اور ان پر سایہ کرتا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ آدمیوں کی تعداد پوری ہوتی تو درخت پھیل کر اسی طرح

سایہ فگن رہتا۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے اخبار جنگ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۷۰ء

اب ملاحظہ فرمائیے وہ آیت مقدسہ جس کی جناب مولوی صاحب تفسیر بیان کر رہے ہیں۔

واتبعوا ماتتلوا الشیٰطین۔۔۔۔ وما کفر سلیمان ولٰکن الشیاطین کفروا۔۔۔۔ وما اُنزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت۔۔۔۔ فیتعلّمون منھما ما یفرّقون بہ بین المرء وزوجہ۔۔۔۔ لو کانوا یعلمون ۔ ۲ : ۱۰۲

قطع نظر اس کے کہ جناب مولوی صاحب نے اس آیت مقدسہ کے معنی کرنے میں کس قدر توڑ مروڑ سے کام لیا ہے۔ ذیل کی باتیں مولوی صاحب کے ترجمہ سے پھر بھی ثابت ہیں۔

(الف) جادو کی تعلیم کفر ہے۔

(ب) جادو کی تعلیم دینا شیطانوں کا کام ہے۔

(ج) ہاروت وماروت سے (کلدانی) ایسا جادو سیکھتے تھے جس کے ذریعہ سے کسی مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کر دیتے ہیں۔

(د) وہ لوگ ایسی باتیں (ہاروت وماروت) سے سیکھتے تھے جو خود ان کو نقصان دیں اور ان کو نفع پہنچانے والی نہیں تھیں۔

برعکس اس کے کلدانیوں نے جو ایجادیں کیں وہ تو بنی نوع انسان کی خدمت ہے مثلاً پاکستان کلدانیوں کی طرح تانبے جیسی بطخوں کو ایجاد کرے اور پھر ان بطخوں کو بڑے بڑے شہروں میں نصب کر دیا جائے تو دو تین ماہ کے عرصہ کے اندر اندر پاکستان سے چوری۔ جاسوسی۔ ڈاکہ زنی کا خاتمہ ہو جائے۔ اور اگر تالاب ایسے بنا لئے جائیں۔ جیسے کلدانیوں نے بنائے تھے۔ تو پاکستان سے ہر قسم کے جرائم کا ایک

مہینہ کے اندر اندر خاتمہ ہو جائے کیونکہ جب ایسے لوگوں کو تالاب میں داخل کر دیا جائے گا تو آدھے گھنٹے کے اندر اندر اصل حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ نہ صرف پاکستان میں جملہ لوگ ہر قسم کی برائیوں سے پاک وصاف ہو جائیں گے بلکہ کروڑ در کروڑ روپیہ کی بھی ہر ماہ بچت سے پاکستان کی اقتصادی حالت بہتر ہو جائے گی۔

میں مولوی صاحب سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کلدانیوں نے جو ایجادیں کیں جن کا ذکر خود مولوی صاحب نے کر دیا ہے ان کو کفر کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ نہ انہوں نے کسی کو جادو کی تعلیم دی اور نہ ہی یہ لوگ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے مرتکب ہوئے۔ اور نہ ہی مولوی صاحب نے ان کے کسی کفر کی نشاندہی کی۔ خواہ مخواہ ان کو کافر قرار دینا ظلم ہوگا۔ کیونکہ جو نتائج کفر جناب مولوی صاحب نے قرآن پاک کی آیت سے اخذ کئے ہیں ان میں سے ایک کا بھی ان پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اگر مولوی صاحب یوں فرمائیں کہ یہ لوگ کواکب اور سموات کی ارواح کو کلیتاً مدبر اور کارساز سمجھتے ہیں تو اللہ تعالےٰ نے ان کی اصلاح کے لئے بقول مولوی صاحب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے درمیان پیدا کر دیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے توحید کو پیش کر کے ان کے ازیں قبیل اعتقادات کی تردید کر دی تو پھر حضرت ابراہیمؑ کے مبعوث ہونے کے بعد ہاروت و ماروت کو ان پر مبعوث کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہی۔ بالفرض مولوی صاحب کے نزدیک کوئی ضرورت ہو بھی اور اس ضرورت کے ماتحت خدا تعالےٰ نے ہاروت و ماروت کو مبعوث بھی کر دیا ہو۔ تو اس فعل سے خاکم بدہن اللہ تعالےٰ کے علم غیب پر سخت الزام عائد ہوتا ہے۔ کہ اس مقدس ہستی نے فرشتے بھی کلدانیوں کی اصلاح کے لئے ایسے مامور کئے جو خود معصیت کا شکار بن گئے۔ یہ الیسی سچی باتیں تھیں جن کو صاف کرنے کے لئے میں نے مولوی صاحب کو ۲۲ فروری ۱۹۷۰ء کو ایک خط لکھا۔ مورخہ مارچ ۱۹۷۰ء

ٹیلیفون پر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے درخواست کی اور یہ بھی عرض کیا کہ میری عمر ۸۰ سال کے قریب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مقررکردہ وقت پر میں حاضرِ خدمت ہو جاؤں لیکن آپ گھر میں موجود نہ ہوں۔ مولوی صاحب نے میری درخواست قبول فرما کر مجھے یقین دلایا کہ وہ یقیناً میرا انتظار کریں گے اور یہ کہ میں دوسرے دن صبح دس بجے ان کے دولتکدہ پر پہنچ جاؤں ۔ میں خوشی خوشی وقت مقررہ پر ان کے دولت کدہ پر پہنچا تو مجھے بتلایا گیا کہ مولوی صاحب تو موجود نہیں ہیں۔ میں نے ان کے آدمی کو ٹیلیفون پر جو گفتگو ہوئی تھی اس کا حوالہ بھی دیا۔ مگر یہی کہا گیا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں ۔ اور نہ وہ یہ بتلا سکتے ہیں کہ وہ کب تک واپس آئیں گے۔ بہر حال اب میں وہ خط شائع کر رہا ہوں جو ان کو میں نے ۲۸ ، فروری ۱۹۷۰ء کو لکھا تھا ۔

اس کا مکمل متن قارئینِ کرام کے استفادہ کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مکرّم معظم جناب مولوی احتشام الحق صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ نے اپنے درسِ قرآن مطبوعہ اخبار جنگ مورخہ ۱۳ و ۲۷ ، فروری ۱۹۷۰ء ۔ آیت مقدسہ کے حصّہ ما کفر سلیمان . . . . ہاروت و ماروت کی جو تشریح فرمائی ہے ۔ میرے نزدیک اس کی تائید مجوسیوں اور یہودیوں کی روایات و قصّہ جات بلکہ لچر بایات سے تو ممکن ہے ۔ مگر قرآنِ کریم ۔ لغت اور حدیث اس کو رَد کرتی ہے۔ کیونکہ جناب نے اپنی تشریح کی تائید میں بعض اکابرین دین کو پیش فرمایا ہے جو میرے نزدیک اسلام کے درخشندہ ستارے یا مہر و ماہ ہیں ۔ اس لئے ان آئمہ دین کی عظمت اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے شکوک آپ سے دور کرانا چاہتا ہوں جو درج ذیل ہیں : ۔

(۱) جناب نے کھلے الفاظ میں تسلیم فرمایا ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں

ا

جن کو خدا تعالیٰ نے کلدانیوں یا اہل بابل پر ان سے بھی اونچے درجے کے جادو کو پیش کرنے کے بطور رسول مبعوث فرمایا۔ تا یہ فرشتے لوگوں پر ظاہر کریں کہ کلدانیوں کے حیرت انگیز کام بوجہ سحر و جادو کفر و باطل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بالکل برعکس اللہ تعالیٰ کی نص قطعی قرآن میں یوں مذکور ہے قل لوکان فی الارض ملئکتہ . . . . لنزلنا علیہم من السماء ملکاً رسولاً۔ (بنی اسرائیل) میرا سوال یہ ہے کہ آپ کے بیان میں اور قرآن کریم کی آیت مقدسہ کے درمیان صورت تطبیق کیا ہو سکتی ہے بدیں مفہوم:۔

(الف) کیا انسانوں کے لئے فرشتہ بطور رسول مبعوث ہو سکتا ہے۔ اس کا تو آپ کو علم ہوگا کہ رسول کا کام صرف اس قدر ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی قوم کو احکام خداوندی سے آگاہ کرے بلکہ اس سے بڑھ کر ان احکام پر عمل کرنا بھی اس کا فرض منصبی ہوتا ہے۔ اس لئے انسانوں کے لئے فرشتہ بوجہ غیر جنس ہونے رسول کے فرائض ادا نہیں کر سکتا۔

(ب) سورہ النحل میں فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یخافون ربہم . . . . ویفعلون ما یؤمرون۔ یعنے فرشتے خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی بھی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ ہاروت و ماروت کی خلاف ورزی تو ثابت ہے۔ اس لئے وہ فرشتے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔

(ج) جب خدا تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے نبی یا رسول مبعوث فرماتا ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ کلدانیوں کی اصلاح کے لئے خدا نے کسی نبی یا رسول کو کیوں مبعوث نہیں فرمایا اور ان کی طرف فرشتوں کے مبعوث کرنے میں کیا حکمت تھی یا ہے۔

(د) ہاروت و ماروت کے اپنے مشن میں فیل ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کے علم غیب پر حرف آتا ہے۔ کہ فرشتے بھی مبعوث کئے تو ایسے جو خود معصیت کا شکار ہو گئے۔

(ہ) آپ نے کلدانیوں کے بعض حیرت انگیز جادوؤں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ مثلاً بطخ۔ حوض یا درخت کا بنانا وغیرہ بقول آپ کے بطخ صرف چور اور جاسوس کو ظاہر کرتی ہے۔ (۲) مختلف خورد و نوش کی چیزیں جو خدام اور ملازمین حوض میں ڈال دیتے ہیں جوں کی توں آقاؤں کو وہی چیزیں مل جاتی ہیں (۳) درخت کا پھیلتے چلے جانا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ مجمع اس کے نیچے سما جائے وغیرہ وغیرہ اب ان بے جان اشیاء کے اندر شعور۔ تمیز۔ عقل۔ ادراک جو خاصہ خداوندی ہے۔ شیطان جادوگروں نے ان بے جان چیزوں میں کیسے پیدا کر دیا۔

۲۔ جناب نے اپنی تفسیر کو محقق مفسرین کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیا جناب کے نزدیک حضرت امام فخرالدین رازی محقق مفسرین میں سے ہیں یا نہیں؟ کیا انہوں نے اس قسم کے قصوں کا ذکر کر کے مردود قرار نہیں دیا؟

(ب) روح المعانی کو آپ نے اپنے درس میں کئی بار پیش فرمایا ہے، کیا اس میں یہ تحریر نہیں کہ ہاروت و ماروت کے قصوں میں رسول صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(ج) شہاب عراقی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص ہاروت و ماروت کو دو فرشتے مانتا ہے جن کو زہرہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے وہ اللہ کا کافر ہے۔ کیونکہ ملائکہ معصوم ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔

۳۔ سحر کے معنی جو لغت میں دیئے گئے ہیں وہ دھوکے کی باتیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو

اور جوہری کا قول ہے۔ کل لطف ودق ماخذہ فھو لسحر۔ آپ توکلدانیوں کے جادوؤں کو یہاں تک تسلیم فرمالیا۔ کہ انہوں نے خدا کی خلق کی ہوئی اشیاء میں شعور پیدا کردیا۔ یا ان کی ماہیت تبدیل کردی جو کفر اور شرک ہے۔

۴۔ حدیث میں آتا ہے۔ ان من البیان لسحر۔ کیا اس حدیث نے سحر کی حقیقت کو واضح نہیں کردیا۔

اُمید ہے۔ کہ میرے شکوک دُور کرکے عند اللہ اور عند الرسول کے نزدیک مستحق ثواب ٹھہریں گے۔

(شیخ عبد الحق۔ مناظر اسلام)

قرآن کریم کے نزدیک ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ باطل ہے

قرآن کریم کی عظمت کیلئے مولوی احتشام الحق صاحب کو اس باطل عقیدہ سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیئے

مولوی احتشام الحق صاحب نے اپنے درس قرآن شائع شدہ اخبار جنگ مورخہ ۳ و ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء میں جو تشریح آیت مقدسہ ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا۔۔۔۔۔ ان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔ کی فرمائی ہے وہ سراسر خلاف قرآن اور احادیث صحیحہ ہے۔ مولوی صاحب موصوف جو اپنے آپ کو ممتاز عالم دین سمجھ

رہے ہیں۔ ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ شروع شروع میں جب تک ملکی حدبندیوں کی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم سے دُور پڑی ہوئی تھی۔ نیز آمدورفت کے وسائل میں سخت دشواریاں اور پیچیدگیاں تھیں ایسے حالات میں اللہ تعالےٰ اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت انبیائے کرام کو مختلف قوموں میں وقتاً فوقتاً مبعوث فرماتا رہا تاکہ ان قوموں کی روحانی نشو و نما ہوسکے لیکن جب وہ وقت آنے والا تھا۔ کہ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے واقف ہو جائے۔ اور ملکی حدبندیاں بھی ٹوٹنے والی تھیں اور دنیا میں آمدورفت کے وسائل میں بھی بے حد آسانیاں پیدا ہونے والیاں تھیں۔ تو ایسے زمانہ کے سرپر اللہ تعالےٰ نے حضور محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور بنی نوع انسان کی روحانی زندگی میں کمال پیدا کرنے کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات بہ شکلِ قرآن کریم آپؐ پر نازل فرمایا۔

یہودی اس حقیقت کو سمجھتے تو ضرور تھے مگر ان میں سے بعض اس مکمل ضابطۂ حیات پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ ان کے خیال میں دنیا کا موعود نبی بنی اسماعیل کی بجائے بنی اسرائیل سے ہونا چاہیئے تھا۔ تا شریعت موسوی کلیتہً منسوخ ہونے سے محفوظ رہتی۔ یہودیوں کے ازیں قبیل غلط خیالات اور خواہشات کا ذکر کر کے اللہ تعالےٰ نے ان پر مذکورہ آیت مقدسہ کے ذریعہ اتمام حجت کیا ہے۔ اور ان کی فطرت کو اپیل کی ہے۔ کہ شریعت موسوی جو صرف بنی اسرائیل کے لئے ایک خاص وقت تک کے لئے تھی۔ اس کو ہم نے منسوخ کر کے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب قوموں کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات بہ شکل قرآن نازل کر دیا ہے۔ کیونکہ اب جبکہ عقلِ انسانی میں پختگی بڑھ گئی ہے۔ تورات سے زیادہ بڑھ کر باریک باتیں نازل کرنے کی ضرورت تھی۔ جیساکہ بخیر منھا کے الفاظ سے ظاہر ہے تو اس میں ہرج کیا ہے۔

اس تشریح کو قرآن کریم کے سیاق و سباق سے بھی مکمل تائید حاصل ہے اسی لئے آیت

مقدسہ سے قرآن کریم کی بعض آیات کا بعض سے منسوخ ہونا کسی طرح بھی مراد نہیں لی جا سکتی۔ جو ایک بے تعلق بات ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے یا پیچھے کوئی ایسی آیت نہیں جو دوسری سے منسوخ ہوئی ہو یا دوسری آیت کی ناسخ ہو۔ پس جب یہ جھگڑا ہی اب تک پیش نہیں آیا تو یہاں نسخ آیاتِ قرآنی کے مضمون کو بیان کرنا بالکل بے معنی بات ہے۔

اس ضمن میں جو دلائل جناب مولوی صاحب نے ناسخ و منسوخ کے متعلق دیئے ہیں وہ بالکل غلط اور خلافِ واقعات ہیں۔ مثلاً آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

" پھر آیاتِ قرآنی کے منسوخ ہونے کی مختلف صورتیں پیش آئی ہیں ایک یہ کہ آیت کی تلاوت باقی رہی ہے۔ اور حکم اس کا ختم ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ابتداء میں اس عورت کی عدت ایک سال تھی۔ جس کا شوہر وفات پا جائے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج ۔ اس کے بعد ایک سالہ عدت کو منسوخ کر کے چار ماہ دس روز کی عدت کر دی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا " (اخبار جنگ مورخہ ۲-اپریل ۱۹۷۰ء)

مولوی احتشام الحق صاحب نے ہر دو آیات کے پیش کرنے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے اور خدا کے خوف سے بھی نڈر معلوم ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں پہلی بات جو مولوی صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ آیت مقدسہ جس کی بنا پر مولوی صاحب بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر فرما کر اس کی منسوخی کے قائل ہیں کیا اس آیت مقدسہ کے بعد نازل نہیں ہوئی۔ جس میں بیوہ عورت کی عدت اللہ تعالیٰ نے چار ماہ دس روز مقرر فرمائی ہے؟ اگر مولوی صاحب نے ان دونوں آیات میں سے کسی ایک کو منسوخ تسلیم کرنا ہے۔ تو لازماً وہ آیت مقدسہ

منسوخ سمجھی جائے گی جو ان دونوں آیات میں سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ اب قرآنِ کریم کی سورۃ البقر کو ملاحظہ فرمائیں۔ جس آیت کو آپ ناسخ قرار دے رہے ہیں اس کا نمبر ۲۳۴ اور جس کو منسوخ قرار دے رہے ہیں اس کا نمبر ۲۴۰ ہے۔ اب آپ کے قائم کردہ اصول کے مطابق وہ آیت جس میں اللہ تعالےٰ نے بیوہ کی عدت چار ماہ دس روز مقرر فرمائی ہے۔ وہ منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور اس کے بعد نازل ہونے والی آیت جس میں بقول مولوی صاحب بیوہ کی عدت ایک سال مقرر ہوئی ہے وہ ناسخ قرار دینی چاہیئے جو بالبداہت باطل ہے بلکہ قرآن میں تحریف کے برابر ہے۔

(۲) پاکستان کے اس ممتاز عالمِ دین و رہنما کو یہ بھی پتہ نہیں کہ سورۃ بقرہ کے اس رکوع میں اصل مضمون مطلقہ عورت اور بیوہ عورتوں پر احسان کرنے کے متعلق ہے جس طرح مطلقہ کو مہر کے علاوہ متاع یا سامان دینے کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بیوہ عورت کو حصہ وراثت کے ساتھ متاع دینے کی سفارش کی ہے۔ مطلقہ کا متاع تو عدت تک کا خرچ ہے چونکہ بیوہ کی اس سے زیادہ قابلِ رحم حالت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو عدت سے کچھ زیادہ متاع دینے کی سفارش کی ہے۔ یعنے اس کی عدت تو چار ماہ دس دن ہی ہے لیکن ایک سال تک اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔ بشرطیکہ وہ عدت کے بعد نکاح نہ کرے۔ اگر وہ چار ماہ دس دن تک خود نکاح کر کے چلی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ متاعاً الی الحول کے بعد ہی فرمایا ہے۔ فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف۔ یعنے اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے بھلائی سے اپنے حق میں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ متاعاً الی الحول والی آیت نے چار ماہ دس دن کی عدت والی آیت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ چار ماہ دس دن والی عدت کو بحال رکھتے ہوئے ایک سال تک انہیں فائدہ پہنچانے

کی سفارش کی ہے۔

۴۔ اب مولوی صاحب صرف اس بات کا سہارا لے سکتے ہیں کہ اگر یہ اتنی سی معمولی بات تھی تو پھر روایات میں منسوخی کا کیوں ذکر ہے۔ میرا جواب اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسی روایات بھی تو موجود ہیں۔ جن میں غیر منسوخی کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاری نے مجاہد کے صاف اور صریح الفاظ در بارہ غیر منسوخی کا ذکر کر کے ساتھ ہی اپنا مذہب بھی بیان کر دیا ہے۔ کہ وہ عدم نسخ کے قائل ہیں۔

مولوی صاحب نے نسخ کی دوسری صورت جو منسوخ الحکم آیات کے متعلق بیان فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے۔

"سابق حکم ختم کر دیا۔ اس کی جگہ نیا کوئی فرض عائد نہیں کیا گیا۔ جیسے ابتداء میں یہ حکم تھا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کچھ عرض کرنا ہو تو پہلے آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ ادباً پیش کریں۔ بعد میں یہ حکم دوسری آیت کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔ اور آئیتیں دونوں تلاوت کی جاتی ہیں۔" (اخبار جنگ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۷۰ء)

ہم نے قرآن کریم کو بڑے غور سے دیکھا ہے۔ ہمیں تو قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں ملی جس میں صحابہ کرام کو حکم دیا گیا ہو کہ حضورؐ اکرم سے جب کچھ عرض کرنا ہو تو پہلے آپ کی خدمت میں نذرانہ ادباً پیش کیا کرو۔

میرا خیال ہے مولوی صاحب کی مراد ذیل کی ہر دو آیات سے ہے۔

(۱) یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے صدقہ سے مراد نذرانہ لے لیا ہے۔

(۲) ءَ اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات۔

ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو ان دونوں آیات میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ دوسری آیت پہلی آیت کے مطلب کو واضح کر رہی ہے۔ پہلی آیت میں صدقہ دینے کے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا "فان لم تجدوا" یعنی ایسا نہ کر سکو یعنی صدقہ نہ دے سکو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور دوسری آیت میں بھی یہی حکم ہے یعنی اگر تم صدقہ نہ دے سکو تو اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں کرتا۔ چنانچہ فان لم تفعلوا کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "و تاب اللہ علیکم" دونوں کا ماحصل ایک ہے جو دینا چاہتا ہے صدقہ دے۔ دینا افضل ہے۔ اگر کوئی شخص صدقہ نہیں دیتا تو ایسے شخص پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ایسی آیات میں ناسخ و منسوخ کا جھگڑا کھڑا کرنا بالکل "سخن شناس نہٖ دلبرا خطا اینجاست" کے مصداق ہے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نسخ کے قبول کرنے سے قرآن کی فضیلت پر دھبہ آتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم میں اختلاف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے کہ قرآن میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ فرمایا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً

ان حالات میں میں نے ایک مختصر نوٹ تیار کیا اور مرکزی جمعیتہ الاسلام پاکستان کی دونوں شاخوں کے جید علماء کی خدمت میں بطور سائل بھیج کر جواب طلب کیا۔

مگر مجھے افسوس سے عرض کرنا ہے کہ دونوں شاخوں کے علماء کرام میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے لٹریچر میں یہ مواد موجود ہے جس سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کی کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس کی تطبیق دوسری آیت سے نہ ہو سکے۔ اس لئے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ قرآنِ کریم اختلاف سے پاک ہے۔ اور ناسخ و منسوخ کا عقیدہ رکھنا قرآن کی عظمت کے خلاف ہے۔ اب میں اس نوٹ کو درج کرتا ہوں۔ جو جمعیتہ العلمائے اسلام کے نام بھیجا گیا۔

جمعیت علمائے اسلام کے نام مکتوب

اللہ تعالےٰ نے جو فضیلت اور خصوصی حیثیت قرآن کریم کو دیگر کتب سماوی پر عطا فرمائی ہے۔ اس کا ذکر کلام پاک میں یوں فرمایا ہے۔

لا تحرک بہ لسانک ان علینا جمعہ وقرانہ

بخاری میں ہے۔ کہ ابتداء میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی تو حضورؐ وحی مقدس کو جلد لینے کی کوشش فرماتے تھے۔ تا وحی الہٰی میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کی اس تکلیف کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپؐ کو تسلی و تشفی عطا فرمائی کہ قرآن پاک میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے جمع کرنے اور پڑھنے کی ترتیب کو قائم رکھنے کی ذمہ داری ہم نے اپنے اوپر عائد کر لی ہے۔ اس فضیلت کو کلام پاک میں متعدد بار بیان فرمایا ہے کسی جگہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ کہیں یوں ارشاد فرمایا۔ بل ھو قران مجید فی لوح محفوظ اور بعض مقامات پر اسی فضیلت کا یوں ذکر فرمایا انہ لقران کریم فی کتٰب مکنون۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں سے کسی حرف بلکہ زیر و زبر، پیش تک کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خدا تعالےٰ نے اپنے اوپر عائد کر لی ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا نص قطعی کی موجودگی میں بالکل اسی وعدہ خداوندی کے خلاف مولوی احتشام الحق صاحب نے اخبار جنگ مورخہ ۴، ۱۰۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں اپنے درس قرآن میں ذیل کے الفاظ بھی لکھے ہیں۔

"نسخ کے سلسلہ میں قابل تفصیل دوسری بات یہ ہے کہ نسخ احکام اور نسخ آیات کی چند صورتیں اور مختلف نوعیتیں ہیں۔۔۔۔ قرآن کریم کے کچھ حصہ کا نسخ تلاوت

اور حکم دونوں اعتبار سے ہوا ہے کہ نہ اس کی تلاوت جزو قرآن ہونے کے اعتبار سے باقی رہی اور نہ حکم باقی رہا۔ ایسے منسوخ کو اصطلاح میں منسوخ التلاوت والحکم کہا جاتا ہے۔"

(اخبار جنگ مورخہ ۱۰۔ اپریل ۱۹۷۸ء)

میں آپ حضرات کی خدمت میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر مؤدبانہ سوال کرتا ہوں کہ :۔

(ا) منسوخ التلاوت والحکم کی اصطلاح مولوی احتشام الحق کی اپنی ایجاد ہے یا اس کی کچھ شرعی حقیقت ہے۔

(ب) اگر اس کی شرعی حیثیت ہے تو کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے اس کو واضح کیا جاوے۔

(ج) آپ حضرات کے نزدیک قرآن پاک کا جو حصہ نسخ تلاوت اور حکم دونوں اعتبار سے ہوا ہے اس کو پیش کر دیا جاوے۔

اس سلسلہ میں میرا مذہب یہ ہے۔ کہ صحابہ کرامؓ قرآن پاک کی کسی دوسری آیت مقدسہ کو کسی پہلی آیت مقدسہ کے معنی میں وضاحت پر نسخ کا لفظ مجازی معنوں میں ضرور استعمال فرماتے رہے ہیں۔ جس کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہوتا تھا کہ جو غلط خیال کسی صحابی کے دل میں کسی آیت سے گذرتا تھا وہ غلط خیال منسوخ ہوا۔ قرآن پاک کے اصل الفاظ کا منسوخ ہونا ہرگز ہرگز ان کا منشاء نہ تھا۔ چنانچہ روح المعانی میں بھی یہی تسلیم کیا گیا ہے۔ ان المراد من النسخ البیان والیضاح المراد مجازاً۔ مسند احمد کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ تو آپ حضرات کو بھی مسلم ہوگا کہ مذہب کے معاملہ میں کسی صحابی کا قول حجت نہیں، اور پھر روایات میں سخت تضاد ہے مگر مولوی احتشام الحق صاحب نے تو قرآن کے ایک حصہ کے منسوخ ہونے کا تو کھلا دعوےٰ

کر دیا ہے، جو بالکل باطل اور لغو ہے۔ اور قرآن کریم کی مذکورہ آیاتِ مقدسہ کے صریحاً خلاف ہے۔

۲۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی طرف ایک روایت منسوب کی جاتی ہے اور اس روایت کی کمزوری اور ضعف تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کی روایت کسی دوسرے صحابی سے مروی نہیں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی مگر حکم باقی رہا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ حکم تو باقی رہے مگر الفاظ باقی نہ رہیں کیونکہ جو حکم اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ تو الفاظ میں ہی نازل ہوتا رہا ہے اور پھر یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ حکم تو لفظوں میں اُترا۔ کیونکہ بغیر لفظوں کے حکم آ نہیں سکتا تھا۔ پھر الفاظ منسوخ ہو گئے مگر حکم پھر بھی باقی رہا۔ کیا آپ حضرات کے نزدیک یہ وجہ تو نہ تھی۔ کہ حکم تو صحیح تھا مگر لفظ غلط تھے ؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

مجھے امید ہے کہ آپ اپنی اوّل فرصت میں جواب سے مشکور و ممنونِ احسان فرمائیں گے۔ پتہ کا لفافہ ارسال کر رہا ہوں تا دیر سے بچا جائے۔ پتہ کا لفافہ مرکزی جمعیتہ العلمائے اسلام کے فاضل اجل کو بھیجا گیا۔ دوسری شاخ جن کے لیڈر حضرت مولانا مفتی محمود اور حضرت مولینا غلام غوث ہزاروی ہیں ان کو یہ نوٹ ایک قابلِ احترام ہستی کے ذریعہ بھیجا گیا (جس میں کسی قدر الفاظ میں ردّ و بدل ہے) اور درخواست کی گئی تھی کہ وہ بیرنگ لفافہ میں اپنے افکار سے مطلع فرمائیں۔ منتظرِ جواب

قرآنِ کریم حضرت ابراہیمؑ کو صدیقاً نبیاً قرار دیتا ہے

اسرائیلی روایات جھوٹی ہیں حضرت ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا

مولوی احتشام الحق صاحب کیلئے لمحۂ فکریہ

مولوی احتشام الحق صاحب تھانوی نے جن خیالات کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سارہ کے قیامِ مصر کے متعلق اپنے درس قرآن مطبوعہ اخبار جنگ مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۱ء میں کیا ہے۔ ان کی حقیقت دروغ بے فروغ سے زیادہ نہیں۔ جن آیات مقدسہ کی تشریح جناب مولوی صاحب نے کی ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہے۔

واذ یرفع ابرٰھم القواعد من البیت واسمٰعیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ۔ ۔ ۔ ۔ اُمّۃً مسلمۃً لک وارنا مناسکنا ۔ ۔ ۔ ۔ ربّنا وابعث فیھم رسولاً منھم ۔ ۔ ۔ انک انت العزیز الحکیم۔

(سورۃ بقرہ آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹)

ادنیٰ تدبّر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ ان آیاتِ مقدسہ میں :۔

۱۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر۔

۲۔ اُمتِ مسلمہ اور اعمال حج بدیں مفہوم کہ یہ مشرکانہ رسوم نہیں۔ بلکہ موحدین کے جداعلیٰ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے ذریعہ ان کا قیام ہوا۔

۳۔ نیز حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے دنیا کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے متعلق اللہ تعالےٰ کے حضور کی۔ باوجود ان کھلے امور اور

واقعات کے نہ معلوم وہ کونسی اغراض ہیں جن کی بناء پر جناب مولوی صاحب نے حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کذب ثابت کرنے کے لئے اسرائیلی روایات کو جو سراسر خلافِ قرآن خلافِ شانِ نبوّت۔ خلاف وقارِ نبوّت اور خلاف عصمتِ انبیاء ہیں پیش کر دیا۔

۲۔ کیا جناب مولوی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ محدّثین نے احادیث کے راویوں کے متعلق پوری پوری تحقیقات کے بعد بھی احادیث موضوعہ کی پرکھ کے لئے چند معیار مقرر کئے ہیں اور ان معیاروں کا ذکر حضرت فخر اسلام شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلوی نے اپنی کتاب "عجالہ نافعہ" میں نیز حضرت نواب صدیق الحسن خان صاحب (علیہ الرحمتہ) نے اپنی کتاب "الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ" میں کیا ہے۔ اور قریب قریب یہی معیار علامہ ابن جوزی کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور حضرت ملّا علی قاری نے بھی ان کا ہی ذکر اپنی موضوعات میں کیا ہے۔ ان تسلیم شدہ معیاروں میں سے ایک معیار آئمہ محدّثین کا یہ بھی ہے کہ جس حدیث کے الفاظ رکیک اور قواعد عربیہ کے مطابق نہ ہوں یا معنی ایسے ہوں جو شانِ نبوّت اور وقارِ رسالت کے خلاف ہوں تو یہ مضبوط قرینہ ایسی احادیث کے جھوٹا ہونے پر ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کے چاروں اماموں کے نزدیک یہ معیار صحیح ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ جناب مولوی صاحب بھی اس کو صحیح تسلیم فرماتے ہوں گے۔

۳۔ اس معیار کی روشنی میں اب آپ اپنے ذیل کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ اور حضرت سارہ کو اپنے ہمراہ لے کر مصر کا رُخ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بادشاہ بڑا عیاش اور بدکردار ہے اگر کوئی خوبرو عورت شادی شدہ اس کے علم میں آجائے تو شوہر کو قتل کرا کر عورت

اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو انہوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا
کو جو کہ ان کی چچا زاد بہن بھی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ فرمایا ۔ کہ اگر تمہاری گرفتاری کی
نوبت آئے تو یہ مت کہنا کہ میں تمہارا شوہر ہوں بلکہ مجھے اپنا بھائی بتانا ۔
حق تعالےٰ میری اور تمہاری حفاظت کریگا ۔ اور تمہیں اسکی دست درازی
سے محفوظ رکھے گا ؟ (اخبار جنگ صہ۳ مورخہ ۵ ، فروری ۱۹۷۱ء

اب میں جناب مولوی صاحب کی خدمت میں صرف یہ عرض کروں گا کہ وہ خدا کا
خوف رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ :۔

لو ۔ کیا یہ نبی کی شان کے خلاف نہیں کہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنی بیوی کو جھوٹ
بولنے کی ترغیب دے ۔

ب ۔ کیا نبی کی شان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے خدا
تعالےٰ پر بھروسہ کی بجائے جھوٹ کا سہارا لے ۔

ج ۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کی ترغیب سے ان کی بیوی جھوٹ بولنے پر بھی اللہ تعالےٰ ان کی
عزت کی حفاظت کر سکتا ہے تو ہر دو میاں بیوی سچ بولنے پر اللہ کی حفاظت
سے کیونکر محروم ہو سکتے ہیں ۔

د ۔ کیا مولوی صاحب کے نزدیک کسی مصیبت کے وقت نبی کا جھوٹ بولنا جائز ہے اگر
ایسا ہے تو اس کا ثبوت کتاب اللہ اور سیرتِ رسول اللہ سے دیا جائے ۔

آپ نے یہاں تک ہی بس نہیں کی ۔ بلکہ آپ نے مزید یہ بھی فرمایا ہے :۔
چنانچہ بادشاہِ مصر کو جب حضرت سارہ کی خبر ملی تو اس نے بلوایا ۔ ان لوگوں
نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کہ اس عورت سے تمہارا کیا رشتہ ہے
حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میری دینی بہن ہے ۔" (اخبار جنگ صہ۳ مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۱ء)

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاءؑ پر آپ کا یہ افتراء ہے کیونکہ یہ الفاظ شانِ نبوّت ۔ وقارِ نبوّت اور عصمت انبیاءؑ کے خلاف ہیں ۔

جناب مولوی صاحب نے اس قصہ کو یوں ختم کیا ہے :۔

"وہ لوگ حضرت سارہ کو لے کر گئے ۔ لیکن بادشاہ نے جب ہی تنہائی میں دست درازی کرنی چاہی اسے مرگی کا دورہ پڑا ۔ اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا ۔ حضرت سارہ نے اس اندیشے سے کہ کہیں اُن پر قتل کا الزام نہ لگ جائے حق تعالےٰ سے دعا کی ۔ اس کا دورہ ختم ہو گیا اور ہوش میں آگیا ۔ بادشاہ نے دوبارہ وہی ارادہ کیا ۔ تو پھر دورہ پڑ گیا ۔ تیسرے دورے کے بعد جب اس کو ہوش آیا ۔ تو اس نے خوف زدہ ہو کر درباریوں کو بلایا اور کہا ۔ کہ یہ عورت یا تو جن ہے یا جادوگر ہے ۔ یہاں سے لے جا کر باہر نکال دو ۔"

(اخبار جنگ صـ۲ مورخہ ۵ ، فروری ۱۹۷۰ء)

مولوی صاحب غور فرمائیں ۔ اگر حضرت سارہ بادشاہ کے سامنے تسلیم کر لیتی ۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مقدّس شوہر ہیں تو اس صورت میں بادشاہ پر مرگی کا دورہ نہ پڑتا ؟ بالخصوص جب ان کے جھوٹ سے خدا تعالےٰ نے ان کی عصمت کو محفوظ رکھا ۔ تو ان کے سچ بولنے سے وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت سے کیونکر محروم ہو سکتی تھیں ۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ مرگی کے تین دوروں کے درمیان بادشاہ کو دست اندازی کرنے کا خیال آسکتا ہے ؟ یہی امر اسرائیلی روایت کے کذبِ صریح ہونے پر دلیل ہے ۔

۴ ۔ یہ تو ہی آپ کے درس کی حقیقت ۔ اب میں جناب پر واضح کرنا چاہتا ہوں ۔ کہ ایمان کے معاملہ میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ شمشیر برہنہ ہوتا ہے ۔ اور جملہ نبی ایمان کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ تک پہنچے ہوتے ہیں اور "صدیق" کا کم سے کم یہ مرتبہ ہوتا ہے

کہ وہ ہمیشہ سچ بولے اور اس سے کبھی جھوٹ سرزد نہ ہو۔ نبی کسی غرض یا مصلحت کے ماتحت کبھی جھوٹ نہیں بولتے کیونکہ ان کی سب اغراض سچائی سے پوری ہوجاتی ہیں اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو خدا تعالےٰ نہایت معزز لقب فرماتا ہے یعنی "صدیقاً نبیاً"۔ اس خطاب میں یہ حقیقت مضمر ہے کہ بنی اسرائیل نے اور ان کی تتبع میں آپ جیسے مفسروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تین یا چار جھوٹ بولنے کے الزام لگائے ہیں۔ حق تعالےٰ ان کے ایسے جھوٹے الزاموں کو ہمیشہ کے لئے رد کرتا ہے۔ اور دنیا کے سامنے ان کے بلند مقام کو پیش کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو صدیق نبی ہیں اور لفظ صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ بولیں کیونکہ وہ سچائی کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز قرار دیتے ہیں۔

۵۔ جناب مولوی احتشام الحق صاحب جیسے مفسروں نے قرآن کریم کی ذیل کی آیات سے بھی۔

(۱) قال بل فعلہٗ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون۔

(۲) فنظر نظرۃً فی النجوم ۔ فقال انی سقیم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھوٹ بولنے پر استدلال کیا ہے۔ اگر مولوی صاحب نے بھی ان آیات کا سہارا لیا۔ تو ہم یہ ثابت کر دکھلائیں گے کہ لا یمسہ الا المطھرون کے تحت مولوی صاحب کو قرآنِ کریم کے مضامین عالیہ تک پہنچنے کی رسائی حاصل نہیں ہوسکتی۔

مولوی احتشام الحق صاحب کے خط کا جواب

جناب مولوی احتشام الحق صاحب نے اخبار جنگ مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۱ء میں اپنے درس قرآن کے سلسلہ میں ذیل کے الفاظ بیان فرمائے تھے ۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی کو اپنے ہمراہ لے کر مصر کا رخ کیا ۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بادشاہ بڑا عیاش اور بدکردار ہے اگر کوئی خوبرو عورت شادی شدہ اس کے علم میں آجائے ۔ تو شوہر کو قتل کروا کر عورت کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے ۔ تو انہوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے جو کہ ان کی چچا زاد بہن تھی ۔ فرمایا ۔ کہ اگر تمہاری گرفتاری کی نوبت آئے تو یہ مت کہنا کہ میں تمہارا شوہر ہوں بلکہ مجھ کو اپنا بھائی بتانا" (اخبار جنگ مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۱ء)

مذکورہ بالا الفاظ کی بناء پر میں نے جناب مولوی صاحب سے پوچھا تھا ۔ کہ کیا یہ نبی کی شان کے خلاف نہیں کہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنی بیوی کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دے ۔

میرے اس استفسار سے جناب مولوی صاحب مجھ پر بہت خفا ہوئے ہیں ۔ اور آپ نے اپنے غصہ کا اظہار ایسے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے جو میرے نزدیک پاکستان کے معزز عالم دین کی شان کے منافی ہے ۔ وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے ذیل کے الفاظ اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو جواب نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میری دینی بہن ہے ۔ اس میں جھوٹ کیا ہے

کیا حضرت ابراہیم آپ کے خیال میں نعوذ باللہ مومن نہیں تھے یا حضرت سارہؓ مومنہ نہیں تھیں۔ اگر دونوں مومن تھے۔ اور یقیناً تھے تو خدا جانے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہے یا نہیں کہ جس طرح مومنین آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی پیغمبر کے بھی دینی بھائی بہن ہوتے ہیں۔ قرآن اور حدیث اس کے شاہد ہیں۔"

اقتباس خط مولوی صاحب جون ۱۹۷۱ء

جناب مولوی صاحب کے متذکرہ بالا اصُول کو مدِ نظر رکھ کر میں نے اس حیثیت کو جو نبی کی امت کے ساتھ ہوتی ہے قرآنِ کریم نیز احادیث کی بناء پر لکھ کر فاضل جلیل مفتی محمد شفیع صاحب بانیٔ دار العلوم کراچی کی خدمت میں بغرض جواب ارسال کی۔ مفتی صاحب نے جو فتویٰ میری اس تحریر پہ دیا ہے اب ان دونوں کو پیش کر رہا ہوں۔

مفتی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ یہ ہے۔

"لہٰذا سب مسلمان مرد عورتوں کا آپس میں دینی بھائی بہن سمجھنا درست ہے۔ لیکن چونکہ علی الاطلاق بولنے سے ذہن نسبی بہن کی طرف جاتا ہے۔ اس لئے شوہر بیوی کو بہن یا بیوی شوہر کو بھائی کہے یہ مکروہ ہے۔"

اس فتوے کی رو سے مولوی احتشام الحق صاحب انصاف سے فیصلہ کریں کہ انہوں نے جس اصول کو پیش فرمایا ہے

"کہ مومنین آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی پیغمبر کے بھی دینی بھائی بہن ہوتے ہیں۔ قرآن اور حدیث اس کے شاہد ہیں۔"

کس حد تک صحیح ہے۔ یعنے بدیں مفہوم کہ نبی اپنی بیوی کو دینی بہنا کہہ سکتا ہے۔ جو مفتی صاحب کے نزدیک گناہ ہے۔

(خاکسار عبد الحق از کراچی)

مخدوم و مکرم فاضل جلیل مفتی صاحب دام ظلکم العالی ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے آپ بہ ہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ دو امور پر جناب کے افکار عالیہ کی ضرورت ہے ۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی قیمتی رائے سے مجھ کو ممنون احسان بنائیں گے ۔

پہلی بات

اللہ تعالیٰ سورۃ المجادلہ میں فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنی عورتوں (بیویوں) کو مائیں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں تو نہیں اور دلیل یہ دی ہے ۔ ان اُمّٰھٰتُھُمْ الا الّٰئِیْ ولدنھم مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ۔ قریب قریب اسی مضمون کو اللہ تعالےٰ نے سورۃ الاحزاب میں یوں ارشاد فرمایا ہے :۔

کہ تمہاری بیویاں جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنایا ۔ ۔ ۔ اور نہ ہی تمہارے لے پالک تمہارے بیٹے ہیں ۔ یہ تو تمہارے اپنے منہ کی بات ہے اور حکم دیا ۔ اُدعوھم لاٰبائھم ۔ یعنے ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو ۔ اس سے یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ غیر عورت واقعی ماں نہیں بن سکتی اور نہ ہی کوئی دوسرا غیر واقعی بیٹا اپنا حقیقی بیٹا بنایا جاسکتا ہے ۔ ٹھیک اسی دلیل سے بیوی کو بہن کہنے سے وہ بہن نہیں بن سکتی ۔ کیونکہ اس کی بہن تو وہ ہے جس کو اس کی ماں نے جنم دیا ہو ۔ اسی لئے جو شخص بیوی کو بہن کہتا ہے ۔ وہ قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے ۔ اگر یہ استدلال صحیح نہ ہو ، تو براہِ کرم میری غلطی مجھ پر واضح کر دی جائے

دوسری بات

جب اللہ تعالےٰ نے زمانۂ جاہلیّت کی تمام رسومات کو جو منہ بولنے کی اخوّت سے پیدا ہوتی تھیں۔ مثلاً رسم وراثت یا منہ بولے بیٹے کی ابنیت کو منسوخ کر دیا اور اللہ تعالےٰ نے سب مسلمانوں کا یکساں رشتۂ رُوحانیت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے ساتھ قائم کر دیا اور ان لوگوں کے خیال کو ردّ کر دیا جو حضرت زید بن حارث کو زید بن محمدؐ کے نام سے پکارتے تھے اور کھلے الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ حضرت زید کا رسول اللہ صلعم کے ساتھ وہی روحانی رشتہ ہے۔ جو حضورؐ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کا ہے۔ اور کلام اللہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ اُمھٰتھم۔ جس کی تفسیر بزبان نبوی بروایت حضرت ابوہریرہؓ بخاری شریف میں موجود ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان مرجائے اور وہ مال چھوڑ جائے تو اس مال کے وارث اس کے رشتہ دار ہوں گے۔ اور اگر وہ قرضہ چھوڑ جائے تو چاہیئے کہ وہ میرے پاس آجائیں۔ کیونکہ ان کا مولےٰ میں ہوں۔ حضورؐ کی یہ شفقت و محبت امت کے ساتھ باپ سے بھی بڑھ کر ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہراتؓ مسلمانوں کی مائیں (روحانی) قرار دے دی گئیں۔ اس تشریح سے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امت کے ساتھ باپ بیٹا جیسا تعلق ہُوا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "جس طرح مومنین آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں قرآن اور حدیث اس کے شاہد ہیں۔" تو کیا یہ " النّبی اولیٰ بالمؤمنین " کے خلاف نہیں؟ اور کیا واقعی قرآن اور احادیث کے نزدیک پیغمبر کی بیوی بھی اس کی دینی بہن میں شمار ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو مجھے اس کی سند درکار ہے اور ایسے

حوالجات کی صورت میں تطبیق آیت قرآنی " النبی اولیٰ بالمؤمنین و من انفسھم ازواجہ امھتھم کے ساتھ کیسی ہوگی۔

خاکسار۔ شیخ عبدالحق مناظر

الجواب

سب مسلمان مرد عورت آپس میں بھائی بہن ہیں لیکن بیوی کو بہن کہہ کر پکارنا مکروہ سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ مطلقاً جب بہن کہا جاتا ہے تو دینی بہن کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ فقد صرحوا بان قولہ لن وجتہ یا اخیتہ مکروہ وفیہ حدیثا رواہ ابوداؤد۔ درالمختار ج ۲ ص ۵۷۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسلمانوں کو اپنا دینی بھائی بتایا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعد۔ مشکوٰۃ شریف ص ۴۰ جب سب مسلمان بھائی ہیں تو مسلم خواتین دینی بہنیں ہونگی۔ اور یہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھتھم۔ کے خلاف نہیں۔ بہن ہونا دوسری حیثیت سے ہے۔ اور بیوی ہونے کی حیثیت اس کے علاوہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی کو بہن بتایا تھا، مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۶ روایت بخاری ومسلم۔ اور ان کو بہن کہنا دینی بہن ہی ہونے کے اعتبار سے تھا جو ایک ضرورت و مجبوری سے استعمال کیا گیا۔ اختیار کی حالت میں بیوی کو بہن کہنا گناہ ہے جیساکہ شراح حدیث نے بتایا ہے لہٰذا سب مسلمان مرد عورت کا آپس میں دینی بہن بھائی سمجھنا درست ہے۔ لیکن چونکہ علی الاطلاق بولنے سے ذہن نسبی بہن کی طرف جاتا ہے

اس نے شوہر بیوی کو بہن یا بیوی شوہر کو بھائی کہے تو یہ مکروہ ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمود اشرف عثمانی

دارالافتاء ۔ دارالعلوم کراچی ۱۴ ۹۱ھ

حضرت یعقوبؑ کے سب بیٹوں کو نبی ماننا خلافِ قرآن ہے حسب ونسب کا امتیاز قرآن کے نزدیک ناجائز ہے

مولوی احتشام الحق صاحب کا فہم قرآن

مولوی احتشام الحق صاحب نے قرآن پاک کی اس آیت مقدسہ "قالوا کونوا ھودا او نصارٰی تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین" کی توضیح اخبار جنگ مورخہ ۱۴ رمئی ۱۹۷۱ء میں شائع کی ہے اس کا طویل قصہ اسرائیلی روایات یا قصہ جات کے مطابق کہا جا سکتا ہے مگر اصولِ اسلام۔ وقارِ نبوت اور تعریفِ نبوت ورسالت کے بالکل خلاف ہے۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالےٰ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے کہ جب تمہارے نزدیک بھی ملّتِ ابراہیمؑ کا اصل الاصول اللہ تعالےٰ کی توحید کامل یعنی ہر قسم کی شرک کی آمیزش سے کلی طور پر پاک وصاف کا ہونا ہے۔

اور تم دونوں مذہبوں نے شرک کو جو ہر بدی کی جڑ ہے۔ اپنے اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔ تو کس منہ سے تم دونوں اس دعوے میں حق بجانب قرار دیئے جا سکتے ہو، کہ تم میں سے کسی ایک کے مذہبی اصول قبول کر لینے سے انسان ہدایت یافتہ کہلا سکتا ہے

اس صاف اور سیدھے بیان کے ساتھ ساتھ جناب مولوی صاحب نے بغیر موقع و محل یا بغیر کسی ضرورت کے حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کی نبوّت کے غلط دلائل تحریر فرمائے ہیں۔ جن کی یہ آیت مقدسہ متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جو کچھ جناب مولوی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

"یہ دراصل اشارہ ہے۔ اس امر کی طرف کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹے پیغمبر اور انبیاء تھے۔ ۔ ۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان کے اور بھائی نبی نہیں تھے ۔ ۔ ۔ لیکن محققین علمائ کی رائے یہی ہے کہ وہ سب کے سب نبی تھے۔ ان حضرات نے اس سلوک کے متعلق اسی طرح قادح نہیں سمجھا۔ جو برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشاجرات اور بعض امور میں باہمی نزاع و اختلاف ان کی عدالت میں قادح نہیں ہے۔ بعض ایسی لغزشیں جو دوسروں سے سرزد ہوں تو علامت نفاق قرار پائیں۔ لیکن اس سے (یعنی برادران یوسف بوجہ خاندان نبوت) سرزد ہوں تو ان کو قابلِ عفو و درگذر قرار دیا گیا۔ جیسا کہ فتح مکّہ کے موقعہ پر حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ حدیث شریف میں ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے القاء الواح اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ ان کے برتاؤ کے واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حالانکہ کسی غیر نبی سے یہ اعمال سرزد ہوتے تو سنگین جرم

لیکن حضرت موسیٰؑ کی نبوّت و رسالت میں ان سے کوئی فرق نہیں آیا۔"

(اخبار جنگ صہ۲ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۷۱ء)

جناب مولوی صاحب کا مذکورہ بیان سراسر اصول اسلام۔ مقام نبوّت۔ اور عصمت انبیاءؑ کے خلاف ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب بیٹوں کو نبی تسلیم کرنا قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات کے صریحاً خلاف ہے۔

الف۔ ن اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضاً۔ اس آیت مقدسہ میں برادران یوسفؑ کی خفیہ سازش کا ذکر فرمایا۔ جس میں انہوں نے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے یا ملک بدر کرنے کا فیصلہ کرنا تھا۔

ب۔ لا تقتلوا یوسف والقوہ فی غیٰبت الجُب۔ باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو۔ بلکہ اس کو گہرے۔ بے آباد اور اندھیرے کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔

ج۔ فلمّا ذھبوا بہٖ واجمعوا ان یجعلوہ فی غیٰبت الجب۔ فیصلہ کے مطابق انہوں نے حضرت یوسفؑ کو بغیر منڈیر والے کنوئیں میں پھینک دیا۔ بالفاظ دیگر سب بھائی قریباً قریباً قتل عمد کے مجرم بن گئے۔

د۔ وجاءو اباھم عشاء یبکون۔ اس آیت مقدسہ میں برادرانِ یوسف کی مکاری و عیّاری کا ذکر ہے۔ کہ وہ روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس گئے۔ باپ نے جب رونے کی وجہ دریافت کی۔ تو ڈبل جھوٹ کا ارتکاب کیا۔

"قالوا یا بانا انّا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عند متاعنا فاکلہ الذئب۔" اے ہمارے باپ ہم ایک دوسرے آگے نکلتے ہوئے

چلے گئے اور یوسفؑ کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔ بھیڑیا آیا اور وہ یوسفؑ کو کھا گیا۔

مذکورہ بالا آیات مقدسہ نے جو جرائم برادران یوسف کے گنوائے ہیں۔ یہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے برادرانِ یوسفؑ کی توبہ قبول فرما لی ہو۔ لیکن ان کو نبی کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ بڑی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی۔ کہ جناب مولوی احتشام الحق صاحب اور ان محقق علماء تو برادرانِ یوسفؑ کو نبی مانتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ اپنی پاک کتاب اللہ میں ان کے جرائم کا تا قیامت اعلان کرتا ہے۔

۲۔ برادرانِ یوسف کے سلوک کو ان کی نبوّت کے خلاف نہ سمجھنا۔ یا ان کے ایسے سلوک کو صحابہ کرامؓ کے باہم نزاع اور اختلاف کے برابر قرار دینا میرے نزدیک صحابہ کرامؓ کی ہتک کے مترادف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کی فضیلت۔ بلند مرتبے اور شان کے متعلق بیسیوں مقامات پر ذکر فرمایا ہے مثلاً کہیں فرمایا۔ کہ صحابہ کو سچائی کے ساتھ محبت ہے (۲) انہوں نے اپنی ساری خواہشات کو خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ذبح کر دیا ہے (۳) کہیں اللہ تعالےٰ ان کو "عباد الرحمٰن" کے معزز لقب سے مشرف فرماتا ہے۔ بدیں مفہوم کہ وہ اس مقام عبودیت کو حاصل کر چکے ہیں۔ جہاں ان سے کبھی گناہ ہی سرزد نہیں ہو سکتا۔ یعنے صحابہ کرام کی عصمت کا بلند مقام کا اظہار فرمایا ہے (۴) کبھی ان کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔ یہاں تک کہ (۵) رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا۔ کیا جناب مولوی صاحب اور ان کے محقق علماء ان واقعات کی روشنی میں صحابہ کرام کے مقدس گروہ کا مقابلہ برادرانِ یوسفؑ

کے ساتھ کرنے میں حق بجانب ہیں۔ جن کی دنیاداری کے چند واقعات تو قرآنِ کریم نے بھی گنوائے ہیں۔ رہ گیا امر صحابہ کرام کے مشاہدات اور باہمی تنازع و اختلاف کا۔ مولوی صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ اس مقدس گروہ کے سب حضرات کی نہایت نیک نیتیں تھیں۔ ان کا جنگوں میں حصّہ لینا کسی دنیوی غرض کے ماتحت نہیں تھا۔ بلکہ مسلمانوں میں مصالحت کی غرض سے تھا۔ اللہ تعالےٰ دونوں جنگ کرنے والے گروہوں کو مؤمن قرار دیتا ہے۔ خواہ وہ گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہو یا حضرت امیر معاویہ کا۔ حضرت علی نے حضرت زبیر وطلحہ کے قاتلوں کے متعلق نہایت نفرت و حقارت کے الفاظ استعمال کئے اور حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کو نہایت ادب اور تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔

۳۔ جناب مولوی صاحب نے اپنے بیان میں حسب ونسب کی جو فضیلت یا برتری قائم کرنے کے لئے کوشش کی ہے وہ اس لئے قابلِ پذیرائی نہیں کہ قرآنِ کریم فرماتا ہے:۔

(۱) ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت مقدسہ کی رُو سے تمام قومی اور نسبی امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ معزز ہے۔ جو احکامِ قرآنی کو نگاہ میں رکھے۔

(۲) فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز کوئی نسب (بجز اعمال صالحہ) کام نہ آئے گا۔

آپ غور فرمائیں کہ کیا کسی سیّد کے نعوذ باللہ مرتد ہو جانے سے اس کی نجات ہو جائے گی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ کو یہاں تک صاف فرمایا کہ

اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صاف لفظوں میں فرمایا کہ قیامت کے روز میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ نیز یہ بھی آپ کے ارشاداتِ گرامی میں ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ برادرانِ یوسفؑ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ اس صحابی کی نیت نہایت نیک تھی۔ چنانچہ جب خط کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو حاطب نے صاف صاف اقرار کیا۔ اور رسول اللہ صلعم کو وجہ بتائی۔ کہ مہاجرین کے رشتہ دار تو مکہ میں موجود ہیں۔ کیونکہ میں قوم قریش سے نہیں ہوں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ مکہ والوں کے ساتھ کوئی احسان کر چھوڑوں۔ تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عذر کو قبول فرمایا۔ کہاں یہ واقعہ اور کہاں آپ کا تحریر کرنا کہ برادرانِ یوسفؑ کا بوجہ ان کے خاندانِ نبوت جو لغزشیں ان سے سرزد ہوئیں۔ ان کی نبوت میں قادح نہیں ہے۔ سراسر خلافِ قرآن ہونے کے باعث رَدّ کرنے کے قابل ہے۔

۴۔ آپ کے بیان کا آخری حصہ جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جس طرح حضرت موسٰےؑ کا سلوک حضرت ہارونؑ کے یا القاالواح کا واقعہ جو بقول آپ کے عام آدمی سے سرزد ہوتا تو سنگین جرم قرار پاتا۔ مگر حضرت موسٰےؑ کی نبوت و رسالت میں کچھ فرق نہ آیا۔ سراسر آپ کی ناواقفیتِ قرآن پر مبنی ہے۔ غور فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

"قال فانا قد فتنا قومك من بعدك و اضلهم السامری"

جس سے ثابت ہے کہ حضرت موسٰےؑ کو تو میقات طور کے وقت ہی معلوم ہو

چکا تھا۔ کہ ان کی غیر حاضری میں سامری نے ان کی قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ قوم کے مشرکانہ فعل پہ غصّہ میں تھے۔ ایسا غصّہ خدا تعالےٰ کی نظر میں مذموم فعل نہیں بلکہ غیرت ایمانی کے باعث مستحسن ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارونؑ کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا اس غصّہ کے باعث تھا جو صحیح تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کو خیال ہوگا کہ حضرت ہارونؑ نے حکماً بچھڑا بنانے سے کیوں نہیں روکا۔ لیکن جب حضرت ہارون نے حضرت موسیٰؑ سے واضح کیا کہ قوم نے مجھ کو کمزور جانا۔ قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیا جاتا۔ اس لئے میں نے آپ کا انتظار کیا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے دلی محبت کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو بھی اپنے ساتھ دعاؤں میں شامل کر لیا۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارون کے ساتھ کہاں ایسا بُرا سلوک کیا ہے جو عام آدمی سے سرزد ہونے کے باعث سنگین جُرم قرار پاتا۔ ٹھیک اس طریق پر آپ اور آپ کے محقق علماء القا الواح کے واقعہ کو بھی نہیں سمجھ سکے۔ القا کے معنی ڈالنا یا زمین پر رکھنے کے ہیں۔ اس کے معنی توڑنا ہرگز ہرگز نہیں۔ آپ کے محقق علماء کو در حقیقت اسرائیلی روایات سے غلطی لگی ہے۔ تورات نے تو بالعموم سب انبیاء پر اور بالخصوص حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے متعلق ایسی لغو اور لچر باتیں لکھی ہیں کہ بعض ان میں سے انسانی تہذیب و شائستگی پر ایک بدنما دھبّہ ہیں۔ اگر تورات کو دوبارہ لکھنے والوں نے اسی طریق پر حضرت موسیٰؑ پر یہ جھوٹا الزام لگا دیا۔ کہ انہوں نے تورات کی تختیوں کو توڑ ڈالا۔ تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیا آپ کے نزدیک نبی غصہ میں ہونے کی حالت میں خدا تعالےٰ کے

کلام کی ہتک کرسکتا ہے ؟ اسی لئے قرآن مجید تورات کی تختیوں کو توڑنے کو رد کرتا ہے۔ بلکہ القیٰ الالواح کے الفاظ نے اس کی تصدیق کر دی ہے کہ حضرت موسٰیؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنی طرف کھینچنے کے وقت تورات کی تختیوں کو بحفاظت زمین پر رکھ دیا تھا۔ جب حضرت ہارونؑ کے ساتھ ان کا معاملہ درست ہوگیا تو اللہ تعالےٰ نے انہی الواح کا "اخذ الالواح" کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ یعنی حضرت موسٰیؑ نے ان تختیوں کو پھر اُٹھالیا۔ پس ثابت ہُوا کہ حضرت موسٰیؑ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہُوا۔ جس سے حضرت ہارون کی کوئی ہتک ہوئی ہو۔ یا حضرت موسٰیؑ نے تورات کی بے ادبی کی ہو۔

پبلشر شیخ عبد الحق مناظر اسلام کراچی نے نور آرٹ پریس راولپنڈی سے چھپوا کر کراچی سے شائع کیا